مختار مسعود

# آٹو گراف البم

میں آٹو گراف البم لیے پچیس برس ایک شخص کا تعاقب کرتا رہا۔ پہلی بار اُن کا گھر ڈھونڈنے میں بڑی دقت پیش آئی۔ وہ ایک بوسیدہ اور بے نشان گھر کے جزوی قابض تھے اور گھر پہنچ کر بھی یہ تلاش دشوار تھی کہ وہ اس کے کون سے حصے میں رہتے ہیں۔ وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ بلکہ گھر الاٹ کرانے کے لیے متروکہ جائیداد کے دفتر کے باہر قطار میں کھڑے تھے۔ میں نے پانچ سال ان کا آبادکاری کا انتظار کرنے کے بعد پھران کے گھر کا رخ کیا۔ ملاقات اب کی بار بھی نہ ہو سکی۔ میں ان کے گھر بیٹھا تھا اور وہ درآمد برآمد محکمے کی انتظار گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پانچ سال اور بیت گئے۔ میں ان کے یہاں پہنچا مگر وہ گھر بدل چکے تھے۔ نیا گھر ایک اعلیٰ نو تعمیر رہائشی بستی میں تھا۔ نمونے میں نادر اور سجاوٹ میں بے مثال گھر سامان اور افراد سے پُر مگر صاحب خانہ ندارد۔ معلوم ہوا کہ وہ کارخانے گئے ہوئے ہیں۔ میں نے ہمت نہ ہاری اور اپنے پانچ سالہ منصوبے کے مطابق چوتھی بار ان کے یہاں جا پہنچا۔ معلوم ہوا کہ وہ عالمی سفر پر نکلے ہوئے ہیں۔ سفر کی نوعیت تجارتی مع تفریح بیان کی گئی۔ وہ چمڑے کی تجارت کرتے تھے اور تفریح بھی کچھ اسی قسم کی ہوتی ہوگی۔ میں نہ معاش کی مصروفیتوں کا مخالف ہوں نہ انہیں عظمت کی راہ کی رکاوٹ سمجھتا ہوں۔ مگر پھر بھی دل میں وسوسے اٹھے، میں نے انہیں دبا دیا اور دل کو معاشیات کا سبق پڑھانے بیٹھ گیا۔ حضرت آدم سے جناب آدم سمتھ تک اور اس وقت سے تا ایں دم، دولت اقوام اسی طرح چند لوگوں کی سوجھ بوجھ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ لوگ تو محسنین کی صف میں شامل کیے جانے کے لائق ہیں۔ ان کی لیاقت کی قدر کرو کہ تمہیں معاشی پستی سے نکال کر کارخانہ کی چمنی کی طرح بلند کر دیا۔ جہاں خاک اڑتی تھی، وہاں اب چمنیوں کا دھواں اڑتا ہے۔ دھوئیں کے یہ بادل جتنے سیاہ ہوں گے ملک پر اتنا ہی مُن برسے گا۔ یہ لوگ ان کالے بادلوں میں اڑنے والے فرشتے ہیں، انہیں کچھ نہ کہو۔ دل ایسی باتوں سے کہاں بہلتا تھا مگر میں نے اسے مزید پانچ سال باتوں میں لگائے رکھا۔ بالآخر پانچویں کوشش بارآور ہوئی۔ وہ شخص مجھے مل گیا۔ مگر جوئندہ یابندہ کی کہانی غلط نکلی، وہ ایک نیا شخص تھا۔ آزادی سے پہلے وہ انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں حاضری کے لیے ہزار میل کا سفر تیسرے درجے میں کیا کرتا تھا۔ آج وہ اپنی ذات میں گم تھا اور ملک کے مسائل پر گفتگو کے لیے اس کے پاس کوئی وقت نہ تھا۔ میں انہیں گھیر کر بڑی مشکل سے موضوع کی طرف لایا تو پتہ چلا کہ ان کا تعلق اس ملک سے اب صرف اتنا رہ گیا ہے کہ انہوں نے اسے اپنے مزید قیام کا اعزاز بخش رکھا ہے۔ حالانکہ ان کے لیے خدا کی دنیا وسیع ہے اور سوئٹزرلینڈ کے بینک کھلے ہیں۔ میں نے گزرے ہوئے زمانے کی طرف اشارہ کیا کہ شاید انہیں حیا آ جائے۔ مگر وہ بڑے فخر سے اپنی کامیابیوں کی فہرست سنانے لگے۔ فہرست بڑی طویل تھی۔ تیسری بیوی، چوتھا کارخانہ، دسواں مقدمہ، بیسویں کمپنی، میں خاموشی سے سنتا رہا۔ مگر جب اس نے نئے پاسپورٹ اور دوسری شہریت کا ذکر کیا تو مجھے سکتہ ہو گیا۔ جونہی میرے ہوش بجا ہوئے، میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر آٹو گراف کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خود بخود جیب سے باہر آ جائے اور وہ اس پر دستخط کر دیں۔ اب مجھے یہ دستخط درکار نہ تھے۔ چلتے وقت میں نے اپنا ہاتھ بھی جیب سے باہر نہ نکالا۔ انہیں یہ بات نہ عجیب لگی اور نہ ناگوار۔ کیونکہ اب وہ مصافحے کو رجعت پسندی کی علامت سمجھتے ہیں۔